اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

پروفیسر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

asislahi@gmail.com

۲۔ محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ

پی ایچ ڈی (اردو) سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، حیدرآباد (پاکستان)

lailaabdikhojaste@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیّب

گورنمنٹ عارف ہایر سیکنڈری اسکول مصطفیٰ آباد، لاہور (پاکستان)

hafiztayab@gmail.com

۴۔ ڈاکٹر احسان اللہ فہد

ایسوسی ایٹ پروفیسر دینیات، ویمنس کالج، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

e.fahad1970@rediffmail.com

۵۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

رکن، لجنۃ احیاء التراث العلمی، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ قطر

۶۔ ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

پروفیسر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

prof.umari@rediffmail.com

۷۔ جناب محمد تحسین زماں

گیسٹ لیکچرر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ

mtzjamai@gmail.com

۸۔ جناب محمد عبدالحی

D-307۔ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

makkiabdulhai@gmail.com

۹۔ جناب مجتبیٰ فاروق

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

mujtabafar@gmail.com

۱۰۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرف آغاز

ملک کے موجودہ حالات میں

امتِ مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

ـــــــــــــــــ سید جلال الدین عمری

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے موجودہ حالات میں ملک کے مختلف مقامات پر مسلمانوں سے خطاب کیا۔ انھوں نے امت کے مسائل پر روشنی ڈالی اور ان کے حل کی تدابیر بیان کیں۔ ان خطابات کے اقتباسات سے یہ مضمون ترتیب دیا گیا ہے۔ مولانا کی نظر ثانی کے بعد اسے افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (رضی الاسلام)

موجودہ حالات کی جب ہم بات کرتے ہیں تو عام طور پر ہمارے سامنے سیاسی حالات ہوتے ہیں۔ یہ حالات سب کے سامنے ہیں۔ ملک کے حالات بھی اور پوری دنیا کے حالات بھی ۔ سیاسی حالات کہیں بھی امت کے حق میں سازگار نہیں ہیں۔ امریکہ ہو، یورپ ہو، افریقہ ہو، ایشیا ہو، آپ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کہیں بھی اسلام کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے حالات سازگار ہیں۔ مغربی ممالک انسان کے حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں اور انسانوں کی آزادی کی بات کرتے ہیں، لیکن آپ دیکھیں گے کہ ان ممالک میں اسلام کو زبردست خطرے کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا میں جو بھی غلط واقعہ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یا ان ممالک کے ایجنٹوں کے ذریعہ دہشت گردی کرائی جاتی ہے اور اس کی نسبت مسلمانوں کی طرف ہونے لگتی ہے، بلکہ آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ اسلام لوگوں میں دہشت پھیلاتا ہے، خوف اور اندیشہ کا ماحول پیدا کرتا ہے، دیگر قوموں کے خلاف جذبات ابھارتا اور ان سے جنگ کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ اس

طرح آپ دیکھیں گے کہ اسلام کے حق میں کہیں بھی فضا نہیں ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فضا پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دہشت گردی کے جتنے بھی واقعات پیش آتے ہیں، تقریباً ان سب میں مسلمانوں ہی کو ملزم قرار دیا جاتا ہے۔ اس وقت مسلمان جن اہم مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اور ان کے سلسلے میں اسلام کے موقف کی وضاحت بھی ہوگی۔

۱۔ امت کا تحفظ اور بقا

ملک میں آج سے نہیں، ایک طویل عرصہ سے مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ان کے تحفظ اور بقا کا رہا ہے۔ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ اگر کوئی فرد یہ سمجھے کہ اس کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے تو وہ خوف کی حالت میں زندگی گزارے گا۔ ترقی کے دروازے اس کے لیے بند ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب کوئی قوم عدم تحفظ کے احساس سے دوچار ہو تو اس کی توانائی اپنی بقا کی فکر میں صرف ہوگی۔ ترقی کی تدابیر اختیار کرنا اس کے لیے دشوار ہوگا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان عدم تحفظ کے احساس سے نکلیں۔ وہ ناسازگار حالات میں بھی جینے کا حوصلہ پیدا کریں۔ وہ حالات کے ناموافق ہونے کا شکوہ نہ کریں، بلکہ انہیں اپنے حق میں موافق بنانے کی سعی کریں۔ اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں دستوری لحاظ سے ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان مذہب، زبان، پیشہ اور جنس کی بنیاد پر فرق ازروئے قانون غلط ہے۔ اسی طرح ہر مذہبی اور تہذیبی اکائی برابر کے حقوق رکھتی ہے۔ کسی کا حق دوسرے سے زیادہ یا کم نہیں ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ہر فرد اور ہر گروہ کو اس کے حقوق فراہم کرے۔ اگر آپ کو یہ حقوق حاصل نہیں ہیں تو انہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں کوتاہی ہو تو حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائیں اور رائے عامہ کے ذریعہ اس پر دباؤ ڈالیں۔

ملک میں ایسا ماحول بنائیں کہ یہاں ہر فرد کے حقوق محفوظ ہوں اور اس کے

ساتھ مساوی سلوک ہو۔ اس ملک کی اکثریت قانون کی بالا دستی چاہتی ہے، اقلیتوں کے دستوری حقوق کی حمایت کرتی ہے۔ اس طرح کی تنظیمیں اور ادارے بھی ہیں جو ظلم وزیادتی اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ ان کی تائید اور حمایت آپ کو حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔ تعلیمی پس ماندگی

مسلمانوں کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ ہیں۔ تعلیم ہی سے انسان ترقی کرتا ہے۔ آج کے دور میں آدمی جس شعبہ میں بھی کام کرنا چاہے، اس کی وسیع معلومات اور واقفیت اس کے لیے ضروری ہوگی۔ اس کے بغیر کوئی اچھا کاروبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی انڈسٹری چلانا چاہے تو اس کے لیے اور زیادہ معلومات درکار ہوں گی۔ پھر علم ہی سے آدمی کو سوسائٹی میں عزت بھی ملتی ہے۔ کسی شخص سے لوگ خوف تو کھا سکتے ہیں، لیکن اسے عزت و احترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ عزت واحترام انسان کو علم سے حاصل ہوتا ہے۔ یہی معاملہ قوموں کا ہے۔ جو قوم تعلیم کے میدان میں پیچھے ہو اس کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور دنیا کی قوموں میں اس کا وزن بھی نہیں محسوس کیا جاتا۔

تعلیم کے معاملہ میں ہمارا انحصار حکومت کے اداروں پر ہے، یا ان اداروں پر ہے جو حکومت ہی کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ ان سے الگ رہ کر جدید علوم کی کسی بھی شاخ میں پیش رفت نہیں ہوسکتی۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ان اداروں کی اساس سیکولر نظریات پر ہے۔ دین سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ان اداروں میں بچہ نرسری سے لے کر کالج اور یونی ورسٹی تک تعلیم پانے کے باوجود دین سے بے بہرہ رہتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اداروں میں تعلیم پانے والے بچے کم از کم دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہوں۔ انہیں اللہ کی ذات وصفات کا علم ہو، وہ جانیں کہ اللہ کے رسول کون ہیں؟ اور ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کی ہدایت آخری ہدایت ہے۔ وہ جانیں کہ نماز کیا ہے؟ روزہ کیا ہے؟ زکوٰۃ اور حج کیا ہے؟ ماں باپ کا حق کیا ہے؟ بیوی بچوں کا حق کیا

ہے؟ رشتہ داروں کے ساتھ کس طرح کا سلوک ہونا چاہیے؟ پڑوسیوں کے ساتھ اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ اور ہر ایک کے ساتھ ہمارا اخلاق کس طرح کا ہونا چاہیے؟ ان سب باتوں کی دین دار گھرانوں میں ماں باپ اور بزرگوں کے ذریعہ تربیت حاصل ہوتی تھی، لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ماں باپ کو اولاد کی تربیت کی طرف توجہ کی فرصت نہیں ہے۔ وہ اس کی اہمیت بھی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک مساجد میں صباحی یا شبینہ مدارس کا نظم تھا، جہاں بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم حاصل ہوتی تھی، لیکن اب یہ نظم ختم ہوتا جارہا ہے۔ اسے بحال کرنے اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بعض دینی ادارے بھی امت کی نئی نسل کی تعلیم کا انتظام کر رہے ہیں۔ ان اداروں کو باقی رہنا چاہیے اور مزید ادارے قائم ہونے چاہئیں۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت کی لازمی تعلیم کی اسکیم کی وجہ سے ان اداروں کی راہ میں دشواریاں ہیں۔ حکومت کے نزدیک وہ تسلیم شدہ بھی نہیں ہیں۔ اس طرح کی اور بھی رکاوٹیں ہیں۔ ان پر قابو پانے کی کوشش کرنی ہوگی۔

۳۔ معاشی پس ماندگی

مسلمان اس ملک میں معیشت کے میدان میں بہت کم زور ہیں۔ جو قوم معاشی لحاظ سے کم زور ہو وہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد پر سوچ نہیں پاتی۔ اگر کوئی شخص تنگ دست ہے، دو وقت کی روٹی کا محتاج ہے، اپنا علاج نہیں کرا پارہا ہے، اس کے بچوں کی تعلیم نہیں ہو رہی ہے، اس کے سامنے آپ اقامت دین اور صالح انقلاب کی بات کریں تو آپ کی بات صدفی صد صحیح ہونے کے باوجود اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکے گی۔

مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پس ماندگی محض دعویٰ نہیں ہے، بلکہ خود حکومت کی قائم کردہ کمیٹیاں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں رنگ ناتھ مشرا کی رپورٹ پیش ہوئی۔ اس کے بعد سچر کمیٹی کی رپورٹ سامنے آئی۔ ان میں کہا گیا ہے کہ مسلمان کئی معاملات میں دلت طبقات سے بھی پیچھے ہیں۔ مسلمان بنگال میں ستائیس (۲۷) فی صد ہیں لیکن سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب چار (۴) فی صد بھی نہیں ہے۔ تقریباً یہی

صورت حال دوسری ریاستوں کا بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو مستقل نظر انداز کیا گیا اور ان کو آگے بڑھنے کے مواقع نہیں دیے گئے۔ یہ رویہ آج ہی نہیں، تقسیم کے بعد سے رہا ہے۔ حالاں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جو طبقات کم زور ہیں ان کی طرف خصوصی توجہ دے اور انھیں دوسرے طبقات کے برابر لانے کی کوشش کرے۔ حکومتیں اپنی اس ذمہ داری سے غفلت برتتی رہی ہیں۔

۴۔ پرسنل لا کا تحفظ

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ پرسنل لا اللہ کا نازل کردہ قانون ہے۔ وہ اول روز سے اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو اللہ کی نافرمانی تصور کرتے ہیں۔ ہندوستان کے دستور نے بھی یہاں کے تمام مذہبی گروہوں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی آزادی دی ہے۔ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پرسنل لا پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ مرد کو جو حقوق حاصل ہیں وہ عورت کو حاصل نہیں ہیں۔ یہ عدل و انصاف اور مساوات کے خلاف ہے۔ مختلف معاملات میں عدالتیں اس بنیاد پر پرسنل لا کے خلاف فیصلے کر رہی ہیں اور حکومت قانون سازی کے ذریعہ پرسنل لا کو تبدیل کر دینا چاہتی ہے۔ طلاق ثلاثہ سے متعلق قانون اسی کا شاخسانہ ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالی کے قانون میں کسی کے ساتھ زیادتی ہوگی، ورنہ وہ الٰہی قانون ہی نہ ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے اعتراضات اسلام کے معاشرتی قوانین کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔ اگر ان قوانین کی تفصیل اور حکمت و معنویت سامنے آئے تو دنیا دیکھ سکے گی کہ اسلام کے تمام قوانین سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اس کے لیے اسلام کے موقف کو جس طرح پیش کیا جاتا ہے، اس سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ حالات کا رخ بدلیے

اس میں شک نہیں کہ حالات سخت ناموافق ہیں۔ حالات ناسازگار ہیں تو انہیں

سازگار بنانے کی کوشش کیجئے۔ اس کے لیے غیر معمولی سعی و جہد کرنی ہوگی، خود بہ خود حالات سازگار نہیں ہوں گے۔ ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) سال سے ہم اپنی کم زوریوں اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن حالات میں فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے جیسی کوشش ہونی چاہیے، وہ نہیں ہو رہی ہے۔ آپ عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو حالات کا رخ ضرور تبدیل ہوگا۔

۶۔ ظلم کے خلاف آواز بلند کیجئے

ہماری کم زوری یہ ہے کہ ہم اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس ملک میں ہماری یہ تصویر نہیں بنی ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں بھی سوچتے ہیں اور ان کے لیے بھی فکر مند ہیں۔ ان کے مسائل بھی حل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں اگر ظلم ہو رہا ہے تو صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے، دوسروں کے ساتھ بھی ہو رہا ہے، سب ہی کم زوروں کے ساتھ ہو رہا ہے، پس ماندہ طبقات، دلتوں اور او بی سی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جو طاقت ور ہے وہ کم زور پر ظلم کر رہا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ ظلم کے خلاف کھڑے ہوں، عدل و انصاف کا علم آپ کے ہاتھ میں ہو۔ آپ دنیا کو یہ پیغام دیں کہ نہ خود کسی پر ظلم کریں گے اور نہ کسی دوسرے پر ظلم ہونے دیں گے۔ ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہیں گے اور ہر مظلوم کو ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کریں گے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا کارِ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ مکہ میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے تھے۔ اس وقت قرآن نے ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھائی جو معاشرہ کے کم زور افراد کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: تم یتیموں اور مسکینوں کو ان کا حق نہیں دے رہے ہو، تمہارے درمیان ان کے ساتھ ہم دردی اور غم گساری کا ماحول ہی نہیں ہے، عورتوں کے ساتھ تمہارا سلوک غیر انسانی ہے، ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ تمہاری شقاوت کا یہ عالم ہے کہ معصوم بچیوں کو زندہ در گور کرتے ہو۔ کیا تمہیں خدا کا خوف نہیں ہے؟ یاد رکھو، تم ایک روز اس کے دربار میں حاضر کیے جاؤ گے اور اس جور و ناانصافی کی تمہیں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اس ملک میں آپ کی یہی پہچان ہونی چاہیے۔میں باربار کہتا ہوں کہ اگر پندرہ (۱۵) کروڑ کی آبادی ظلم کے خلاف کھڑی ہوجائے تو اس زمین پر ظلم کا وجود نہ ہوگا۔دو چار لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں تو دنیا ان کی بات سنتی ہے۔اگر اتنی بڑی امت ظلم کے خلاف کھڑی ہوجائے تو کوئی کسی پر دست درازی کی ہمت نہ کرسکے گا۔ہزار تعصب کے باوجود آپ کی آواز کو اور آپ کی کوششوں کو نظرانداز کرنا آسان نہ ہوگا بہ شرطے کہ جرأت اور پوری قوت کے ساتھ آپ سامنے آئیں۔

۷۔اسلام پر عمل

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے۔یہی ہماری پہچان ہے ۔اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہماری پوری زندگی میں دین ہی کی کارفرمائی ہو۔قرآن کا حکم ہے: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً** ۔(البقرۃ: ۲۰۸) ”اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجایو“ ۔اسلام کا مطالبہ یہ نہیں کہ صرف نماز روزے کی پابندی کی جائے ،پیسہ ہو تو حج کرلیا جائے ، یا تھوڑی بہت زکوۃ دے دی جائے ، بلکہ حکم ہے کہ اسلام کے دائرے میں پوری طرح داخل ہوجاؤ۔تمہاری عبادات بھی اسلام کے مطابق ہوں، ان میں وہی روح پائی جائے جو مطلوب ہے، تمہارے اخلاق بھی اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں،تمہارا گھر، خاندان، تمہاری معاشرت، تمہارا کاروبار، غرض تمہارے تمام معاملات اسلامی تعلیمات کے تابع ہوں۔

اس کے بعد فرمایا :**وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْ□طٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ** ۔ (البقرۃ:۲۰۸) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام پر عمل نہ کرنا اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا شیطان کی اتباع ہے اور انسان بھول رہا ہے کہ وہ اس کا ازلی دشمن ہے۔ملک کے دستور نے بھی ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی ہے۔

اب ہم خود سوچیں اور اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھیں کہ ہم دین پر کس حد تک عمل کر رہے ہیں ؟اگر حکومت کی جانب سے اس میں کوئی رکاوٹ ہے تو جس حد